Vol.4 No.3 2021

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7617

قدیم فلسفہ ہندویونان کاباہمی ربط

THE INTERCONNECTION OF PHILOSOPHY IN ANCIENT INDIA AND GREEK

۱۔ناہیداختر

۲۔ڈاکٹرنازیہ پروین

۳۔توشیباسعید

ABSTRACT

According to the many thinkers that the ancient philosophy is start from Greek but this is not the reality. The interesting fact is that the Philosophy was already developed in India before Greek philosophy .Although philosophy is the mother of all sciences .It give birth to other sciences including religious studies ,sociology ,economy etc. There are similarities between Indian ancient believes and Greek philosophers like SOCRATES and PLATO, However we found the reflection of Buddha's teachings on the thoughts of Greek philosopher DIOGENES . In fact this article is based on the the study of interconnection of philosophy in ancient India and Greek

کلیدی الفاظ: یونان، ہند، افلاطون، سقراط، تھیلس، اینکسیمنڈر، اینگسیمنز، آوگون، فیثاغورث، مولاناابوالکلام آزاد، مولاناابوالکلام آزاد

انسان جب غاروں میں انفرادی زندگی گزار رہاتھاتواس کے اندر اپنے وجود کااحساس اور اپنی ہستی کی فکر رہی لیکن جب اس نے معاشرتی زندگی میں جیناشروع کیاتوزندگی کے محدود معنی وسعت اختیار کر گئے اور یوں انسان کے اندر اپنے ذات کے نہاں خانوں میں پوشیدہ اسرار سے لے کر کائنات کے سربستہ رازوں کو افشاں کرنے کی جستجو پیدا ہوئی۔زندگی کی اسرار و رموز سے واقفیت کاشوق اور کائنات کے سربستہ رازوں کی تلاش نے غور و فکر کی صلاحیت کو نکھار عطا کیا۔اسی غور و فکر نے متعدد سوالات کو جنم دیا ۔یعنی زندگی کیاہے، فنا کیاہے،مادہ اور جوہر کیاہے، علت و معلول کیاہے، اچھائی اور برائی، نیکی اور بدی کیاہے، خالق کون اور مخلوق کیوں ہے، نجات کاراستہ کیاہے، وغیرہ۔ان تمام سوالات نے فلسفہ کو جنم دیااور فلسفہ نے دینیات، سماجیات اور سائنس کی راہیں ہموار کیں جس پر چل کر انسان نے کائنات کی پوشیدہ رازوں کاپردہ چاک کیااور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔یہ فلسفہ ہی تھاجس نے انسانی زندگی کاکایاپلٹ دیااور انسان کو نئی نئی منزلوں سے آشنا کیا،لہٰذا یہ ضروری ہے کہ اس بات کی کھوج لگائی جائے کہ فلسفہ کی ابتدا کہاں سے ہوئی اور اس کی ابتدائی نقوش کہاپائے جاتے ہیں تاہم مختلف تہذیبوں کے مابین باہمی ربط کو جاننے کی صورت میں فلسفہ کی عالمگیریت بھی واضح ہو جائے گی۔

فلسفہ کی تاریخ کے حوالے سے ابتدامیں یہ خیال کیا جاتا رہا کہ فلسفہ کاچشمہ یونان سے پھوٹا ہے اس لیے فلسفہ میں دلچسپی رکھنے والے اہلِ علم اس کی تاریخی مطالعے کو یونان سے شروع کرتے تاہم یہ بات عیاں ہو چکی ہے کہ جب یونان میں فلسفیانہ سوچ و فکر کی ابتدا ہو رہی تھی تب ہندوستان میں فلسفیانہ افکار اپنے عروج پر تھے۔فلسفہ کی ابتدائی نقوش کو یونان سے منسوب کرنے کی اس مغالطے میں انگریز محققین و مورخین کااہم کردار رہاہے جنھوں نے یونان کو فلسفے کاجنم بھومی قرار دیا۔تاہم بعد کے محققین نے فلسفہ کی ارتقائی مدارج کی کھوج لگائی اور یہ واضح کیا کہ فلسفے کاوجود یونان سے پہلے بھی موجود تھا بلکہ نشو ونماپاچکا تھا۔فلسفہ کے مورخین کی ستم ظریفی یہ رہی کہ انھوں نے ہندوستانی فلسفہ کو درخورِ اعتنانہ سمجھا۔اس کاتذکرہ مولاناابوالکلام آزاد یوں کرتے ہیں:

---

*ریسرچ اسکالرپی ایچ ڈی، شعبہ اردو، ہزارہ یونیورسٹی مانسہرہ

**فیصل آباد

***ریسرچ اسکالرپی ایچ ڈی، شعبہ اردو، ہزارہ یونیورسٹی مانسہرہ

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

"فلسفے کی معیاری کتبِ تاریخ کا انداز یہ رہا ہے کہ انھوں نے فلسفہ یورپ کو تو درخور اعتنا سمجھا ہے، باقی مشرق کی علمی ترقی اور فکری ارتقا کی جو چھاپ فلسفہ پر پڑی ہے اس کا ذکر تک نہیں کیا۔ جہاں تک فلسفہ یونان کا تعلق ہے، ہم اس کی بعض ابتدائی صورتوں سے واقف ہیں۔ عام طور پر یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ یونان میں فلسفیانہ غور و فکر کا سراغ چھٹی صدی قبل مسیح سے نہیں لگایا جاسکتا۔ بہر حال جب ہم چھٹی صدی قبل مسیح کے ہندوستان پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں ایک بدلی ہوئی سی تصویر نظر آتی ہے۔ ہندوستان میں یہ زمانہ فلسفے کے آغاز کا نہیں بلکہ فلسفیانہ غور و فکر کے عروج کا زمانہ تھا۔" (۱)

یونان میں تھیلس کو پہلا فلسفی قرار دیا جاتا ہے جس کا زمانہ ۶۰۰ ق م کے لگ بھگ ہے جب کہ ہندوستان میں فلسفے کے آثار وید میں پائے جاتے ہیں جو تقریباً ۲۵۰۰ ق م کا مانا جاتا ہے۔ لہٰذا جو دور یونان میں فلسفے کے آغاز کا ہے اسی دور کو ہندوستان میں فلسفے کا نصف النہار کہا جاسکتا ہے۔ وید کے حوالے سے ہندوؤں کا خیال ہے کہ یہ دنیا کی اولین کتاب ہے جو پہلا انسان کرہ ارض پر آتے وقت لے کر آیا ہے۔ وید سے متعلق ہندوؤں کا یہ عقیدہ محض تخیلاتی اور قیاس آرئیوں پر مبنی ہے تاہم اس کو ہندوستان کی قدیم ترین کتاب کا درجہ ضرور حاصل ہے جس سے ہندوستان کی قدیم تہذیب، رہن سہن اور سوچ و فکر کا سراغ ملتا ہے۔ ہندوستان کی فلسفیانہ سوچ و فکر کو مذہب اور اخلاقیات سے منسوب کیا جاتا ہے جب کہ قدیم یونانی طرزِ فکر کو اس کے برعکس قرار دیا جاتا ہے۔ شفیقی عہدی پوری کے مطابق:

" ہندوستان اور ایران اور تمام اشیائی ممالک میں تفکر کو ریاضت، قناعت، ترک خواہش، خدا پرستی اور سادگی سے ملا دیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے جیسا کہ بتایا جاچکا ہے، مفکرین کچھ عرصہ بعد روحانی اور دینی ہو جاتے ہیں، لیکن مغرب میں فلسفی کا تفکر، مفکرین کے فکری حدود سے باہر نہیں جاتا اور الہام و خدا پرستی پیدا نہیں ہوتی اور جو لوگ اس سے آگاہ ہو جاتے ہیں وہ یا تو انہیں قبول کر لیتے یا انکار کر دیتے ہیں" (۲)

فلسفہ تمام علوم کی ماں کا درجہ رکھتی ہے کیونکہ اس کی بطن سے باقی علوم، جیسے سائنس، مذہب سماجیات اور اقتصادیات وغیرہ کی ابتدا ہوتی ہے۔ قدیم فلسفیوں کے علم و دانش کی مرہون منت باقی تمام علوم کا آغاز ہوا۔ قدیم ہندوستانی فلسفے میں مذہب اور اخلاقیات کا درس ملتا ہے جب کہ یونان کی فلسفیانہ افکار نے سائنس کی راہ ہموار کی، بظاہر اس فکری تفاوت کے باوجود مشرق و مغرب کے فلسفیانہ افکار میں باہمی ربط بھی پایا جاتا ہے۔ یہ فلسفہ کے بنیادی سوالات کے اخذ و تلاش کی وجہ سے ہے۔ یعنی دنیا اور اس کی حقیقت، انسان اور زندگی، مادہ اور جوہر، تکوینیات کا بنیادی ماخذ اور انسان کی ابدی مسرت اور بقا کے حوالے سے سوچ و فکر اور ادراک و شعور تک رسائی ان فلسفیوں کی مشترکہ کوشش ہے یہی وجہ ہے کہ مختلف خیالات رکھنے والے ان دانشوروں میں منطقی ربط پایا جاتا ہے۔

ہندوستان کے قدیم مفکر و فلسفی برہسپتی مادیت پسند مکتبہ فکر چارواک لوکایت کے بانی ہیں۔ جن کے مطابق خدائے مطلق کا وجود نہیں اور تکوینیات کی اصل تو جیہہ عناصر اربعہ کا وجود ہے یعنی آگ، پانی، مٹی اور ہوا ہی اصل جوہر ہے۔ یوں انھوں نے مذہبی توہمات کی تردید کی اور مادیت کو ترجیح دی۔ چارواک لوکایت کے فلسفیانہ فکر پر روشنی ڈالتے ہوئے یاسر جواد رقم طراز ہیں:

"چارواک نے خدا کی موجودگی کے تصور کو مسترد کرتے ہوئے چار عناصر کو جوہر تسلیم کیا، مٹی پانی، آگ اور ہوا۔ انہی عناصر کے امتزاجات نے تمام چیزیں اور مادی و روحانی مظاہر فطرت پیدا کیے۔ روح بھی شعور کا حامل ایک جسم ہے، روح کا جسم سے باہر کوئی وجود نہیں۔ شعور غیر شعوری عناصر سے مخصوص حالات میں جنم لیتا ہے۔ شعور محض مادی عناصر کو ملانے کے مخصوص عمل کا نتیجہ ہے، انسان کی موت سے اس کا شعور اور روح دونوں فنا ہو جاتے ہیں۔"(۳)

برہسپتی کے مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے فلسفی حسیاتی ادراک کو جوہر مانتے ہوئے نا قابل ادراک چیزوں کے وجود سے انکار کرتے ہیں اسی طرح یونان کے قدیم مکتبہ فکر میلتسی کا بانی تھیلس (Thales) نے اشیاء کے جوہر پر غور خوض کے بعد نتیجہ اخذ کیا کے مادے کا بنیادی عنصر پانی ہے۔ اسی مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے تھیلس کے ہم عصر فلسفی اینکسیمنڈر (Anaximander) اور اینکسیمنز (Anaximenes) کا اندازِ فکر بھی مادی نوعیت کا ہے۔ اینکسیمنڈر اشیا کے آغاز کو ایک لا محدود مادے کی ا

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

بھرتی ہوئی صورت قرار دیتے ہیں جن کی تفریق صفاتی اختلاف کی بناپر ہوتی ہیں جب کہ اینکسیمنز اصل جوہر ہوا کو قرار دیتے ہیں۔ان مفکرین کی خیالات کو بیان کرتے ہوئے صباد شتیاری لکھتے ہیں:

"مبداء کائنات سے متعلق اینکسیمنڈر کا نظریہ کچھ اس طرح ہے کہ کائنات کا بنیادی جز یقیناً مادی ہے لیکن یہ غیر متعین غیر ممیّز اور لا محدود مادہ ہے۔مادہ میں فرق ان کی صفات کی وجہ سے ہے مٹی کی صفات دھات کی صفات سے مختلف ہیں۔دھات کے صفات ہوا اور پانی کے صفات سے مختلف ہیں۔۔۔اینکسیمنز کے نزدیک کائنات کی اصل ہوا ہے۔ہوا وہ بنیادی جوہر ہے جس تمام اشیاء معروض وجود میں آتی ہیں درخت، پتھر، چاند، سورج اور ستارے دراصل ہوا کے ہی مختلف بہروپ ہیں۔"(۴)

متقدمینِ ہند و یونان اس بات پر متفق ہے کہ مبداء کائنات مادہ ہے۔ان کی سوچ میں الٰہیاتی تصورات کے بجائے مادی تصورات نمایاں ہیں۔قدیم ہند کی چارواک لوکایت مکتبہء فکر اور یونان کی میلیتسی مکتبہء فکر میں مادیت پسندی اور حسی ادراک کی طرف رغبت میں باہمی ربط موجود ہے۔یوں تکوینات کے شعوری ادراک حاصل کرنے کی جستجو اور اساسِ جوہر کی تلاش ان فلسفیوں کا مشترکہ مسئلہ رہا۔اسی طرح فلسفہ فنا و بقا کے حوالے سے ہند اور یونان میں فلسفیانہ مباحث ملتے ہیں۔انسانی زندگی کی چکر دار صورت یعنی مسئلہ آواگون کو بنیادی ہندی عقائد میں شمار کیا جاتا ہے جس کو ہندوؤں کے تمام مکاتبِ فکر تسلیم کرتے ہیں۔آواگون کا یہ نظریہ آریاؤں نے ہندوستان آنے کے بعد دراوڑوں سے لیا۔اس نظریے کے مطابق انسان مر کر کسی دوسرے جسم میں دوبارہ جنم لیتا ہے اور سفر حیات جاری رکھتا ہے حتٰی کہ نجات پالیتا ہے۔بشیر احمد ڈار فلسفہء آواگون یا تناسخ کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

"آدمی کی موت کے بعد اس کی روح کچھ عرصے کے بعد دوسرے جسم میں منتقل ہو جاتی ہے جس طرح ہم پرانے کپڑے اتار کر نئے کپڑے پہن لیتے ہیں۔یہ نیا جسم اس کی پہلی زندگی کے کاموں کی نوعیت کے لحاظ مقرر ہو گا۔یہ پیدائش و موت کا چکر یونہی چلتا رہے گا حتٰی کہ انسان اس سے نجات حاصل کر سکے گا۔یہ مسلسل پیدائش (سنسار) کا نظریہ جس کو تناسخ ارواح بھی کہا جاتا ہے ہندوؤں کے نظریہ کرم سے وابستہ ہے اور قدیم اپ نشدوں کے زمانے سے ہی ہندو نظریہ حیات کا اہم جزو بن چکا تھا۔"(۵)

ہندو نظریہ آواگون کو کرما سے منسوب کیا جاتا ہے اس کی رو سے اگلے زندگی کا دارومدار پچھلے جنم کے اچھے یا برے کرموں پر ہوتا ہے اور یہ بار بار پیدائش کا عمل مکتی یا نجات پانے تک جاری رہتا ہے۔یونان میں اس نظریے کے آثار فیثا غورث کے افکار میں بھی نظر آتے ہیں۔فیثا غورث سے پہلے یونان میں عارفیوں نے اس نظریے کو اپنایا اور بعد میں فیثا غورث نے اس کی تجدید کی۔قدیم یونانی تہذیب میں نظریہ تناسخ کی بتدریج ارتقا کا ذکر کرتے ہوئے علی عباس جلالپوری لکھتے ہیں:

"تناسخ ارواح کا تصور ابتدائی صورت میں عارفیوں کے یہاں موجود تھا۔جو بقول ہیروڈوٹس یونانیوں نے مصریوں سے لیا تھا۔بہر صورت جب فیثا غورث نے عرفی مت کی تجدید و اصلاح کا بیڑا اٹھایا تو اس نے بقائے روح اور تناسخِ ارواح کے اساسی عقائد کو من و عن قبول کر لیا۔"(۶)

ہندی نظریہ آواگون اور قدیم یونان کے نظریہ تناسخ میں باہمی ربط پایا جاتا ہے۔ہندو اور فیثا غورثین نہ صرف نظریہ تناسخ پر متفق ہے بلکہ اسے مشترکہ طور پر کرموں کی توجیہہ اور نجات تک کا چکر بھی مانتے ہیں۔علی عباس جلالپوری فیثا غورث کے نظریہ تناسخ و نجات کو بیان کرتے ہوئے برنٹ کے اس قول سے استفادہ کرتے ہیں:

"فیثا غورث کی افکار کی تشریح کرتے ہوئے برنٹ لکھتا ہے۔۔۔نفس کو پاک کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ آدمی تحصیلِ علم میں مصروف رہے اور اپنی زندگی اس مقصد کے لیے وقف کر دے۔یہی سچا فلسفی ہے جو جنم چکر سے نجات پالیتا ہے۔"(۷)

فیثا غورث کے مطابق جنم چکر سے نجات حصول علم اور مطالعہ میں ہے لہٰذا انھوں نے مطالعہء فلسفہ کے طرف رغبت کی۔ہند میں نجات کے عوامل اور نجات کا راہِ راست سمجھانے والے گوتم بدھ چونکہ روح کے لافانی تصور کے قائل نہیں ہیں تاہم وہ نظریہ تناسخ سے انکار بھی نہیں کرتے اور جنم چکر کو کرما سے منسوب کرتے ہیں۔اعمال کے نتائج اور نروان پانے کی بدھ فلسفہ کی وضاحت ڈاکٹر محمد حفیظ سیدیوں کرتے ہیں:

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

"بودھ مذہب کہتا ہے کہ روح نہیں رہتی مگر کرم رہتا ہے۔یعنی ہر فرد کے اعمال تقریر اور خیال کے نتائج باقی رہتے ہیں اور یہ کرم نہیں فنا ہوتا ہے۔یہی کرم مردہ شخصیت کے اجزا کو اکٹھا کر کے اور اس کے صلاحیتوں اور رجحانوں کا جمع کر کے ایک نئے وجود اور نئی فرد کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔جس طرح کہ ایک نسل ختم ہونے پر اپنی تمام اچھائیاں اور برائیاں آنے والی نسل کو ورثے میں دے جاتی ہے بالکل اس طرح ہر فرد فنا ہوتی ہی اپنی نیکیاں اور بدیاں نئی شخصیت کو دے دیتی ہے۔"(۸)

نظریہ تناسخ یا آواگون کا نظریہ ہند اور یونان دونوں کے افکارِ قدیمہ میں ملتا ہے۔تاہم نجات پانے کے خاطر فیثا غورثین حصول علم کے طرف جب کہ بدھ مت نیکی اور اچھائی کے طرف متوجہ ہوئے۔فلسفہ نجات کے علاوہ گوتم بدھ تغیرات کے بھی قائل تھے اور یہی سوچ یونان کی مفکر ہیرا کلٹس کے یہاں بھی ملتی ہے۔گوتم بدھ انسان اور دیوتاؤں کے حوالے سے یہ فکر رکھتے تھے کہ ان کی دنیائیں تبدّل و تغیر کے عمل سے گزرتی رہتی ہے اور یہ تسلسل انقلابات جاری رہتا ہے۔ڈاکٹر محمد حفیظ سید کے مطابق:

"وہ اس امر پر زور دیتے تھے کہ عالم میں جتنی بھی چیزیں ہیں وہ اسباب و علل کے ماتحت آئی ہیں اور ہر چیز ہر لحہ ایک غیر محسوس طریقے پر بدلتی رہتی ہے۔یعنی ہر شے قانون تغیر و تبدل اور علیت کی تابع ہے۔ان تمام دنیاؤں میں برابر تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔انقلابات ہوتے رہتے ہیں اور ان کے بننے بگڑنے کا ایک دور مسلسل ہے جس کی ابتدا اور انتہا انسانی علم سے باہر ہے۔ترکیب و تحلیل کا قانون عام ہے اور اس سے انسان ہو یا دیوتا کوئی بری نہیں۔"(۹)

مادے کی تغیر پذیر عمل کو یونانی مفکر ہیرا کلٹس آگ سے اخذ کرتے ہیں۔ان کے مطابق مادہ کا جوہر آگ ہے یا اس ہی کی طرح کوئی چیز جو مسلسل تبدیلی کے عمل سے گزرتا ہے اور پھر اصلی صورت میں ڈھلتا ہے ہیرا کلٹس کے اس فلسفہ تغیر کے حوالے سے ول ڈوران لکھتے ہیں:

"وہ کہتا ہے کہ تمام کہ تمام چیزیں جاری رہتی اور متغیر ہوتی رہتی ہیں۔ساکن ترین مادے میں بھی غیر مرئی تحول اور حرکت ہے۔کائناتی تاریخ بار بار چکر کھانے والے دوروں میں جاری رہتی ہے ہر ابتدا آگ سے ہوتی ہے اور انتہا آگ پر ہوتی ہے۔"(۱۰)

مادے میں تغیراتی عمل کو جاری و ساری سمجھنے کے حوالے سے قدیم ہند و یونان کے فلسفیوں کے مابین مماثلت نظر آتا ہے۔اس اختلاف کے باوجود کے بدھ فلسفی تغیراتی عمل کے ابتدا و انتہا کو انسانی علم سے ماورا تصور کرتے ہیں جب کہ یونانی فلسفی اس کی ابتدا اور انتہا کو ایک ہی چیز یا جوہر سے وابستہ خیال کرتے ہیں اس باریک اختلاف کے علاوہ فلسفہ ہند و یونان ہر دو جگہوں پر مادے میں قانونِ تغیر کا تصور موجود ہے۔

اصل جوہر، مادے کی صورت، عناصر فطرت اور تغیر کے عوامل کے علاوہ مفکرین و فلسفیوں کے سوچ کا محور ذاتِ مطلق بھی رہا ہے۔مظاہر فطرت کا مطالعہ کرنے اور س کی علت معلوم کرنے کی جستجو نے ان فلاسفروں کی سوچ و فکر کو ذاتِ برحق کے طرف رجوع کرنے پر مجبور کیا جب کہ انتہائی طاقتوں جیسے دیوی دیوتاؤں کا تصور قدیم ہند و یونان میں پہلے سے موجود تھا تاہم علتِ اول کی تلاش نے بھی ان مفکرین کو سرگرداں رکھا۔ہندی معاشرہ میں اصنام پرستی اور سینکڑوں دیوی دیوتاؤں کے علاوہ ایک اعلٰی و برتر ذات کا تصور بھی موجود ہے۔اپانی شد میں یہ تصور برہما یعنی سب سے برتر خدا کی صورت میں موجود ہے۔وید اور بھگوت گیتا میں بھی یہی فلسفہ وحدانیت پایا جاتا ہے۔ہندو دھرم میں خدائے مطلق کے نظریے کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر نصیر احمد لکھتے ہیں:

"جہاں تک اللہ تعالٰی کی ذات کا تعلق ہے، بھگوت گیتا کا عقیدہ قریب قریب وہی ہے جو ویدوں کا ہے مثلاً اللہ تعالٰی قدیم، حیّ اور قیوم ہے۔وہ عالم اور اس کا علم آبِ حیات ہے۔وہ الصمد ہے۔"(۱۱)

ذاتِ واحد کا تصور قدیم یونان کے فلسفیوں کے یہاں بھی ملتا ہے، باوجود اس کے کہ یہاں بھی دیوی دیوتاؤں کا تصور ہند نظریات کی طرح اپنا وجود رکھتا ہے۔اولمپس (Olympus) دیوتاؤں کا ایک سلسلہ قدیم یانان میں پایا جاتا ہے جو مہابھارت کے دیوتاؤں کے طرح خاندانی نظام بھی رکھتے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ برسرپیکار بھی

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

رہتے ہیں۔ان سینکڑوں طاقتوں کے برعکس ایک لامتناہی اور لاشریک ہستی کا تصور بھی یونانی فلسفہ میں نظر آتا ہے۔یونان کے عظیم فلسفی سقراط کو زہر کا پیالہ دینے کی ایک وجہ یہ بیان کی گئی کہ وہ دیوتاؤں کو نہیں مانتا اور ایک خدا کا اجنبی تصور دے رہا ہے لہٰذا وہ قابلِ سزا ہے۔

سقراط معاشرے کی اصلاح و تعمیر کے خواہاں اور عقلی دلائل پر یقین رکھنے والے تھے۔انھوں نے اپنے سوچ و فکر اور فلسفے کو بیان کرنے کے لیے جدلیاتی طریقہ اپنایا اور یوں عقل و استدلال سے لوگوں کو قائل کرتے رہے۔اخلاقی اور سائنسی پہلو کے علاوہ ان کے فلسفے کا محور واحد مطلق بھی ہے۔کامران اعظم سوہدروی سقراط کو ایک خدا کا تصور دینے والا یونان کا پہلا فلسفی قرار دیتے ہیں:

"سقراط کا یہ کہنا ہے کہ عقل کی ہی وجہ تخلیق کائنات ہے اور عقل کل سے مراد خدا کی ذات ہے۔سقراط پہلا یونانی فلاسفر تھا جس نے خدا کے ایک ہونے کا تصور دیا۔"(۱۲)

سقراط کے تصورِ خدائے واحد کے اثرات افلاطون کے فلسفہء تصور اور وحدت اور ارسطو کے فلسفہء فعالیت میں بھی نظر آتا ہے۔قدیم ہند و یونان میں خدا شناسی کے ساتھ ساتھ خود شناسی اور ابدی مسرت کی جستجو بھی ملتی ہے۔بعض مفکرین کے خیال میں ترکِ دنیا ہی ابدی مسرت پانے کا ذریعہ ہو سکتا ہے۔ہندوستانی فلسفہ میں "مایا" کے تصور نے ترکِ دنیا کے خیال کو جنم دیا۔اس فلسفے کے رو سے دنیا چونکہ فریبِ نظر یعنی "مایا" ہے لہٰذا اس سے دل لگانا باعثِ دکھ و الم ہے اور ابدی مسرت اس سے لاتعلق ہونے میں اور گیان دھیان کرنے میں ہے۔ہندوستان میں بدھ مت اور جین مت کے افکار اس کی اہم مثالیں ہیں۔جین مت کے معروف مفکر مہاویر وردان نے اپنی طرزِ زندگی سے اس کا عملی نمونہ پیش کیا اور گیان و دھیان کے خاطر گھر بار اور آسائشیں چھوڑ کر بے سر و ساماں بھکشوں بن گیا اور مادی دنیا سے ترکِ تعلق ہو کر بصیرتِ اعلیٰ حاصل کر لی۔یاسر جواد کے مطابق:

" تمام باعثِ گناہ سرگرمیوں سے اجتناب کی کوشش کرتے ہوئے اس نے بالخصوص کسی بھی نوع حیات کو گزند پہنچانے سے دامن بچایا اور یوں عدم تشدد یا اہمسا کا نظریہ پیش کیا۔وہ اکثر فاقے کرتا اور سارا سال سرگرداں رہتا۔لیکن موسم برسات دیہات اور قصبات میں گزارتا۔۱۲ سال طویل کٹھن ریاضتوں کے بعد اسے کیولیہ یعنی بصیرت کی اعلیٰ ترین سطح حاصل ہوئی۔"(۱۳)

مادی دنیا سے لاتعلقی اور گیان حاصل کرنے کی اہم مثال گوتم بدھ کی زندگی اور تعلیمات میں موجود ہے اور یہی نظریہ یونان کے سینک مکتبہء فکر کی فلسفیوں کے ہاں بھی پایا جاتا ہے۔یونانی مفکر ڈایوجینس نے مسرت اور اطمینان کے حصول کے لیے معاشرتی اور معاشی فکر سے آزادی حاصل کی اور خود انحصاری اور مادیت سے بے نیازی کو اپنا وطیرہ بنایا۔ان کے طرز و فکر کو یاسر جواد ہندوستانی بدھ بھکشوؤں اور مسلمان صوفیوں سے مماثل قرار دیتے ہیں:

"کسی بھی اور مقصد کو مسترد کرتے ہوئے اس نے مال و دولت اور اعزازات کو حقیر جانا اور تعیش پرستی کے خلاف وعظ دے کر شہرت حاصل کر لی۔وہ کھردرے کپڑے کا جبہ پہنتا، ایک تھیلا اور عصا ساتھ رکھتا اور گھروں کے پیش دالان اور عوامی مقامات پر وقت گزارتا تھا۔وہ لوگوں کا دیا ہوا کھانا کھا کر پیٹ بھرتا۔ان عادات و اطوار کے اعتبار سے وہ ہندوستان کے بودھ بھکشوؤں کا پیروکار اور دسویں گیارہویں صدی عیسوی کے مسلمان صوفیوں کا پیش رو معلوم ہوتا ہے۔"(۱۴)

ڈایوجینس نے خود چونکہ بے سر و سامانی کی زندگی بسر کی لیکن اس طرزِ زندگی کو باقی لوگوں کے لیے تجویز نہیں کیا لیکن ان کے اطوار سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ابدی مسرت اور دنیاوی دکھ و الم سے نجات اور قناعت کی زندگی گزارنے کا نظریہ ہند و یونان کی ان فلسفیوں کی طرزِ زندگی میں مماثل نظر آتا ہے۔

ازمنہ اولیٰ ہی سے اہلِ دانش نے کائنات، انسان اور حیات سے متعلق اپنے نظریات قائم کیے لہٰذا ان نظریات و افکار میں باہمی ربط کا پایا جانا بعید از قیاس نہیں اس بحث سے قطع نظر کے ہند و یونان کے فلسفیانہ نظریات پر کس کی فکر کے اثرات نمایاں ہے یا کون کس سے متاثر ہوا یہ بات عیاں ہے کہ ان دو طرح کے اقوام میں فلسفیانہ ربط بحر حال موجود ہے۔اس فکری تفاوت کے باوجود کہ ہندی فلسفہ میں فرد کے باطن پر زیادہ غور و خوض ملتا ہے جب کہ یونانی مفکرین نے خارجی دنیا کو خصوصی طور پر موضوعِ

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

بحث بنایا یہ بات تسلیم کرنا پڑتی ہے کہ مادیت پر غور و فکر ہو یا اصل جوہر تک رسائی، روح و جسم کی مباحث ہو یا موت و حیات کا چکر، مادی تغیرات کی بحث ہو یا ذاتِ مطلق کی تلاش، نجات کا حصول ہو یا ابدی مسرت کی جستجو، ہر چند ان فلسفیانہ مباحث میں فلسفہء ہند و یونان کے مابین باہمی ربط نظر آتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ مولانا ابوالکلام آزاد۔ فلسفہ، اصول و مبادی اور نشوو ارتقاء۔ مکتبہ جمال۔ لاہور۔ ۲۰۱۳ء۔ ص۔ ۸۵۔۸۶

۲۔ شفیقی عہدی پوری۔ فلسفہ ہند و یونان۔ دارالشعور۔ لاہور۔ جون ۲۰۰۶ء۔ ص۔ ۱۰

۳۔ یاسر جواد۔ علم فلسفہ کے معمار، ایک سو عظیم فلسفی۔ نیشنل بک فاؤنڈیشن۔ اسلام آباد۔ اکتوبر ۲۰۱۴ء۔ ص۔ ۱۷

۴۔ صباد شتیاری۔ مطالعہء فلسفہ۔ فہد پبلشنگ کمپنی۔ کوئٹہ۔ اشاعت اول۔ ۱۹۹۳ء۔ ص ۲۲۔۲۳

۵۔ بشیر احمد ڈار۔ حکمائے قدیم کا فلسفہء اخلاق۔ مکتبہ جدید پریس۔ لاہور۔ طبع دوم۔ ۱۹۹۵ء۔ ص۔ ۱۰۳

۶۔ علی عباس جلال پوری۔ روایاتِ فلسفہ۔ تخلیقات۔ لاہور۔ ۲۰۱۰ء۔ ص۔ ۲۵

۷۔ ایضاً۔ ص۔ ۲۶

۸۔ ڈاکٹر محمد حفیظ سید۔ گوتم بدھ، سوانح حیات و تعلیمات۔ بک فورٹ ریسرچ اینڈ پبلی کیشنز۔ لاہور۔ اشاعت اول۔ ۲۰۱۶ء۔ ص۔ ۸۵

۹۔ ایضاً۔ ص۔ ۷۷

۱۰۔ وِل ڈوران۔ حکایت فلسفہ۔ بترجمہ مولوی احسان احمد۔ دارالطبع جامعہ عثمانیہ سرکارِ عالی۔ حیدرآباد، دکن۔ ۱۹۴۲ء۔ ص۔ ۹۲

۱۱۔ ڈاکٹر نصیر احمد۔ سرگزشتِ فلسفہ۔ فیروز سنز۔ لاہور۔ بارِ اول۔ ۱۹۹۱ء۔ ص۔ ۴۵

۱۲۔ کامران اعظم سوہدروی۔ افلاطون حیات، تعلیمات و فلسفہ۔ سٹی بک پوائنٹ۔ کراچی۔ ۲۰۱۳ء۔ ص۔ ۳۲

۱۳۔ یاسر جواد۔ علم فلسفہ کے معمار، ایک سو عظیم فلسفی۔ ص۔ ۳۶

۱۴۔ ایضاً۔ ص۔ ۱۱۳